اقبال کا فلسفۂ خودی

از جناب ڈاکٹر میر ولی الدین صاحب ایم اے پی ایچ ڈی (لندن) بیرسٹر ایٹ لا
پروفیسر فلسفہ، جامعہ عثمانیہ

(۲)

(۵) اولیت و آخریت ظاہریت و باطنیتِ حق۔ ھوالاول والاخر والظاھر والباطن و ھو بکل شی علیم (۵۷-۳) وہی ذات اول ہے، وہی آخر ہے، وہی ظاہر ہے اور وہی باطن اور وہ ہر شے کو جانتی ہے۔ اس آیت سے چاروں مراتب وجودی، اول و آخر، ظاہر و باطن میں حق تعالیٰ ہی کی ذاتِ واحد کا حصر ہو جاتا ہے اور ما سوی کا وجود کسی مرتبہ میں بھی ثابت نہیں ہوتا اور کوئی پانچواں مرتبہ ہے بھی نہیں جو ثابت کیا جا سکے۔

اول و آخر توی چیست حدوث و قدم ظاہر و باطن توئی چیست وجود و عدم
اولِ بے انتقال آخرِ بے ارتحال ظاہرِ بے چند و چوں باطنِ بے کیف و کم

اقبال نے نہایت وضاحت کے ساتھ اس صداقت کو اس طرح ادا کیا ہے ؎

زمین و آسمان و چار سو نیست درین عالم بجز اللہ ہو نیست!

جو اس حقیقت سے ناواقف ہیں انھیں اقبال تنبیہ کر رہے ہیں۔

تو اے ناداں دل آگاہ دریاب بخود مثلِ نیاگاں راہ دریاب
چساں مومن کند پوشیدہ را فاش زلاموجود الا اللہ دریاب
(ارمغان حجاز ص ۹۲)

اس آیتِ کریمہ کی تفسیر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اس دعا سے ہوتی ہے جس کو ابوداؤد مسلم و ترمذی و ابنِ ماجہ نے ابوہریرہؓ سے روایت کیا ہے "انت الاول فلیس قبلک شی وانت

الآخر فلیس بعدک شئ وانت الظاہر فلیس فوقک شئ وانت الباطن فلیس دونک شئ۔

پہلے جملہ کا مفہوم یہ ہے کہ حق تعالیٰ ہی اول ہیں ان سے پہلے کوئی شے نہیں۔ اشیار کے وجود کی نفی ازل سے اس آیت سے ہی ہوتی ہے وقد خلقتک من قبل ولم تک شیئا اس کی تائید اس حدیث نبوی سے بھی ہورہی ہے "کان اللہ ولم یکن شی قبلہ (رواہ البخاری) اس طرح ازل یا مرتبہ اول سے وجود اشیار کی نفی ہوگئی اور وجودِ حق کا اثبات۔

دوسرے جملہ کا مفہوم یہ ہے کہ حق تعالیٰ ہی آخر ہیں اور ان کے بعد کوئی شے نہیں۔ کل شئ ھالک الا وجھہ سے اس کی تائید ہوتی ہے۔ اس طرح ابد یا مرتبہ آخر سے وجود اشیار کی نفی ہوگئی

تیسرے جملہ کے معنی یہ ہیں کہ حق تعالیٰ ہی ظاہر ہیں ان کے اوپر کوئی شے نہیں۔ کیونکہ وجود کو اشیار کی ذات پر فوقیت حاصل ہے۔ اشیار کی ذات معلوماتِ الٰہی ہیں، ثبوتِ علمی رکھتی ہیں۔ وجود ان پر زائد ہے۔ اس لئے ہر صورتِ شے سے اول وجود ہی ظاہر ہے۔ اسی معنی میں یہ شعر سمجھ میں آتا ہے

نظر بر ہر چہ افگندیم واللہ نیامد در نظر ما جز اللہ!

جب اول و آخر و ظاہر حق تعالیٰ ہی ہیں تو باطن بھی وہی ہوں گے۔ اسی لئے حضورِ انور صلعم نے فرمایا کہ تو ہی باطن ہے تیرے سوا کوئی شے نہیں۔ اس طرح وجود کے چاروں مراتب سے وجود اشیار کی پوری طرح نفی ہوگئی اور "ع" دریں عالم بجز اللہ ہونیست" کے معنی کا تحقق ہوگیا یہ ہے تفسیر صحیح آیہ کریمہ ھو الاول والآخر والظاہر والباطن کی جس کو رسول اکرم صلعم نے بیان فرمایا۔ جن کی بات کا انکار کفر، جن کی بات میں شبہ نفاق، جن کی بات میں اپنی بات کا ملانا بدعت ہے اور جن کی بات کا جوں کا توں مان لینا ایمان ہے اسی لئے ہمارا ایمان ہے کہ ؎

اولی وہم در اول آخری باطنی وہم دراں ظاہری

تو محیطی بر ہمہ اندر صفات واز ہمہ پاکی و مستغنی بذات

اوپر کی تصریحات کا خلاصہ یہ ہے کہ وجود حق تعالیٰ ہی کے لئے ثابت ہوتا ہے اور توابعات وجود (صفات و افعال) بھی ان ہی کے لئے مختص ہوجاتے ہیں۔ حق تعالیٰ ہی اول و آخر ہیں۔ ظاہر و باطن

ہیں، قریب واقرب ہیں، محیط اور ساتھ ہیں لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ یہ اول و آخر کس کے ہیں ظاہر و باطن کس کے ہیں، قریب و اقرب کس سے ہیں، محیط کس پر ہیں اور ساتھ کس کے ہیں؟ جواب بھی عرض کیا جا چکا ہے کہ ذات شئے ہی کے ساتھ یہ ساری نسبتیں قائم ہوتی ہیں۔ ذات شئے نہ ہو تو نہ اولیت نہ آخریت ہی کا تصور ممکن ہے نہ ظاہریت و باطنیت کا، نہ قرب و اقربیت احاطت و معیت کا۔ ذات شئے کے متعلق اوپر آپ نے سمجھ لیا ہے کہ یہ معلوم حق ہے، تصورِ الٰہی ہے اور بحیثیت معلوم یا تصور ہونے کے علمِ الٰہی میں ثابت ہے۔ ذاتِ الٰہی میں مندرج ہے یہی امر کن کی مخاطب ہے۔ موطن علم سے مرتبہ خارج میں آنے کی صلاحیت رکھتی ہے یہ غیر ذات حق ہے۔ ذاتِ حق بفحوائے "لیس کمثلہ شیٔ" منزہ ہے تمام اعتبارات ذات شئے سے۔

اب سوال یہ ہے اور کتنا اہم اور دقیق سوال ہے کہ ذاتِ اشیاء جو معلومات یا تصورات حق ہیں، صورِ علمیہ حق ہیں، جو از قبیل اعراض ہیں یا بغیر علماً ثابت ہیں۔ وجود اور اعتباراتِ وجود کے کس طرح حامل ہو گئے؟ کن فیکون کا راز کیا ہے؟ کیا سرِ تخلیق کا انکشاف ممکن ہے؟

ذوات اشیاء یا صور علمیہ کے خارجاً وجود پذیر ہونے کے متعلق تین منطقی احتمالات ہو سکتے ہیں۔

(۱) صور علمیہ بغیر کسی ذات مقوم یا معروض کے خارجاً موجود ہو گئے ہیں۔ یہ احتمال عقلاً محال ہے کیونکہ صور علمیہ اعراض ہیں اور بغیر وجود (معروض) کے اعراض کا ظاہر و موجود ہونا ناقابلِ تصور ہے قبل تخلیق وہ عارض ذات حق تھے بعد تخلیق بھی بغیر کسی معروض کے ان کا نمود نہیں ہو سکتا۔ ھذا ھو الظاھر۔

(۲) صور علمیہ کسی ذات مقوم یا معروض کے اعراض ہیں لیکن یہ معروض (وجود) غیر ذاتِ حق ہے۔ یہ احتمال بھی باطل ہے۔ کیونکہ ہم نے اوپر دیکھا ہے کہ وجود صرف حق تعالیٰ ہی کو ہے ع الا کل شیٔ ما خلا اللہ باطل۔

(۳) صور علمیہ کسی ذات مقوم یا معروض کے اعراض ہیں اور یہ معروض وجود مطلق ہے جو عین ذاتِ حق نہیں۔ یہی ذات قیوم صور علمیہ کی معروض ہے جس سے وہ قائم ہیں۔ یہی گویا

ان کی حقیقت ہیولانی، یا محل ہے (Substratam.) جس پر یہ عارض ہیں۔ دیکھو یہی مفہوم اس آیتِ کریمہ سے تعبیر ہو رہا ہے۔ خلق السموات والارض بالحق تعالیٰ عما یشرکون (پ۱۴ ع ۷) کیونکہ "تعالیٰ" حق کی صفت واقع ہوئی ہے اور لغتہً واجب الوجود کا نام "حق" ہے۔ فتعالی اللہ الملک الحق (پ۱۶ ع ۱۵) سے ہمارے اس بیان کی تائید ہوتی ہے۔ ایک اور جگہ بطورِ حصر ارشاد ہے وما خلقنا ھما الا بالحق (پ ۲۹ ع ۰۰) لغتہً و شرعاً وجود مطلق کا نام ہی حق ہے۔ حق ہی حقیقت ہیولانی کا مادہ ہے، باعتبار اشتقاق حق وحقیقت کا مادہ بھی ایک ہے۔ ساری صورِ علمیہ، تصورات، یا ذوات اشیاء "بالحق" موجود ہیں ظاہر ہیں۔ لہٰذا تخلیق و تکوینِ عالم میں ذاتِ حق و وجودِ حق ہی کارفرما ہے۔ یہی سِرِ ہو الظاہر ہے جس کی تفسیر "ان اللہ ھو الحق المبین" سے ہو رہی ہے۔ یعنی اللہ ہی حق ہیں جو ظاہر ہیں۔ اللہ نور السمٰوات والارض سے (پ۱۸ ع ۱۱) اسی بیان کی مزید تائید ہو رہی ہے۔ فافہم وتدبر!

جس طرح کہ قبل تخلیق ذواتِ اشیا ذاتِ حق پر بحیثیت صورِ علمیہ یا تصورات عارض تھیں اسی طرح خارجاً تمام اشیاء اسی ایک وجود سے موجود اور اسی کی صفتِ نور سے ظاہر ہوگئی ہیں! ذرا اور کھول کر اس راز درون پردہ کو اس طرح بیان کیا جا سکتا ہے کہ "حق تعالیٰ بحالہ وبجدذاتہ جیسے کہ ویسے رہ کر بلا تبدیل و تغیر و بلا تعدد و تکثر صفت نور کے ذریعہ صورتِ معلوم سے خود ظاہر ہو رہے ہیں تو معلوم کے مطابق خلق کا نمود وجود ظاہر میں بطور وجود ظلی ہو رہا ہے اور اعتبارات الٰہیہ خلق سے وابستہ ہو رہے ہیں۔"

وہی وجود منزہ کہ با نزاہتِ خود
ہوا ہے جلوہ نما با شباہتِ ہر شی (شاہ کمال)

اسرارِ خودی میں اس رازِ سربستہ کو اقبال اس طرح بیان کرتے ہیں۔

پیکرِ ہستی ز آثارِ خودی ست ہر چہ می بینی ز اسرارِ خودی ست
خودی مطلق یا حق تعالیٰ — عالم آثار — حق

خویشتن را چوں خودی بیدار کرد (ارادۂ تخلیق کرد) — آشکارا عالمِ پندار کرد

صد جہاں پوشیدہ اندر ذاتِ او (بحیثیت صورِ علمیہ) — غیرِ او (صورِ علمیہ) پیداست از اثباتِ او (تجلی)

می شود از بہرِ اغراضِ عمل — عامل و معمول و اسباب و علل

زندگی محکم ز الفاظِ خودی ست — کاہد از خوابِ خودی نیروئے زیست

اس مفہوم کو مثنوی رموزِ بیخودی میں اور بھی صاف کر دیا ہے۔

تو خودی از بیخودی نشناختی — خویش را اندر گماں انداختی

جوہرِ نوریست اندر خاکِ تو — یک شعاعش جلوۂ ادراکِ تو

واحد است و برنمی تابد دوی — من ز تابِ او من استم تو توی

خویش دار و خویش باز و خویش ساز — نازہا می پرورد اندر نیاز

نقش گیر اندر دلش او می شود — من ز ہم می ریزد و تو می شود

ایک پرمعنی لطیف شعر میں رازِ تخلیق کو یوں بیان کیا ہے۔

زخود نارفتہ بیروں غیر بیں است
میانِ انجمن خلوت نشیں است

"زخود نارفتہ بیروں" یعنی بحالہ و بحد ذاتہ جیسے کہ ویسے رہ کر بلا تبدیل و تغیر، بلا تعدد و تکثر "غیر بیں است" یعنی صورتِ معلوم سے جو غیرِ ذاتِ حق ہے، تعین و تقید کی وجہ سے غیرِ ذاتِ حق ہے، ظاہر ہو رہا ہے "میانِ انجمن خلوت نشیں است" یعنی تکثر و تعدد صور میں اپنی وحدت اصلی پر قائم ہے، اس کی ذات میں کوئی تغیر و تعدد نہیں پیدا ہوا ہے، کثرت صورِ علمیہ کی ہے، ذاتِ حق کثرت سے منزہ ہے، کسی اور جگہ اس وحدتِ ذاتیہ کو واضح کیا ہے ؎

در وجود او نہ کم بینی نہ بیش
خویش را بینی از و او را ز خویش

"خویش را بینی ازو" یہ اس لئے کہ اسی کی تجلی و تمثل ہی کی وجہ سے ہماری ذات کا ظہور ہے "اور راز خویش" اس لئے کہ ہماری ہی صورتوں سے وہ ظاہر ہے! ایک اور جگہ اس کی صراحت کر رہے ہیں ؎

بہ ضمیرت آرمیدم تو بجوش خود نمائی
بکنارہ بر فگندی دُرِ آبدار خود را

"بہ ضمیرت آرمیدم" یعنی تیرے علم کی ایک صورت تھا، معلوم تھا، تصور تھا، تو نے "بجوش خود نمائی" یعنی اپنے اسمار و صفات کے اظہار کے لئے "بکنارہ بر فگندی دُرِ آبدار خود را" اپنی ذات کو بصور معلومات بمصداق ہوالظاہر متجلی فرمایا!

حق تعالیٰ صورِ معلومات یا اشیار کی صورتوں سے خود تجلی فرما ہے، دیکھو اس مفہوم کو اقبالؔ کس قدر صاف طور پر کھول کر بیان کر رہے ہیں۔

گفت آدم؟ گفتم از اسرار اوست
گفت عالم؟ گفتم او خود روبروست

"او خود روبرواست" تصریح ہے "ھوالظاھر لیس فوقك شیٔ" کی "یا راست عیاں بصورت کوں" کی، عارف رومی کے اس راز کی

اوست عین جملہ اشیار اے پسر
با تو گفتم راز پنہاں سربسر

فلسفیانہ طریقہ پر فکر کر کے خوب سمجھ لو کہ "تخلیق" اشیار کا

(۱) عدم محض سے پیدا ہونا نہیں ہے کیونکہ عدم سے عدم ہی پیدا ہوتا ہے۔ (Ex nihilo nihil fit.)

(۲) نہ ہی عدم محض کا اشیار کی صورت میں نمایاں ہوتا ہے کیونکہ عدم محض تعریف ہی کی رو سے کوئی شے نہیں کہ کسی ہستی کا مادہ بن سکے یا اس کو کسی ہستی کی صورت میں ڈھالا جا سکے (العدم لایوجد) اور

(۳) نہ ہی حق تعالیٰ کا خود صورتوں میں تقسیم ہو جانا ہے کیونکہ وہ تجزیہ و تبعیض سے منزہ ہے تخلیق حق تعالیٰ کا بحد ذاتہ جیسے کہ ویسے رہ کر بصور معلومات بصداق ہو الظاہر تجلی فرمانا ہے اور یہ تجلی یا تمثل ان صور علمیہ (ذوات اشیاء) کے مطابق ہو رہی ہے جو ذاتِ حق میں مخفی (یا بالفاظ اقبال ضمیر حق میں آرمیدہ) اور علم میں مندرج ہیں۔ اسی تجلی و تمثل کا نتیجہ ہے کہ اشیاء کا نمود با حکام و آثار خود بالتفصیل ان کی قابلیت ذاتی کے مطابق خارج میں جو وجود ظاہر ہے ہو رہا ہے۔ ہر صورت علمی جو ذاتِ شئے ہے اپنے اقتضائے ذاتی اور استعداد اصلی کے مطابق فیضیاب وجود و بہرہ یاب صفات وجودی ہو رہی ہے۔

یاد رکھو کہ خلق کا وجود حق تعالیٰ کے ظہور یا تجلی و تمثل کے بغیر ناممکن ہے اور حق تعالیٰ کا ظہور تجلی و تمثل بغیر صور خلق (صور علمیہ یا تصورات) کے ممکن نہیں، یہ ایک دوسرے کے آئینے ہیں آئینہ ظہور حق میں خلق ظاہر ہے اور آئینہ ظہور خلق میں حق

ظہور تو بمن است و وجود من از تو
فَلَستَ تظہر لولای لم اکن لولاک

اقبال اس حقیقت کو یوں بیان کرتے ہیں۔

نہ اورا بے نمود ما کشودے
نہ مارا بے کشود او نمودے

"نہ اورا بے نمود ما کشودے" یعنی حق تعالیٰ کا ظہور ہماری صورتوں کے بغیر ممکن نہیں۔ "نہ مارا بے کشود او نمودے" اور ہم بھی بغیر اس کی تجلی و تمثل کے ظاہر ہو سکتے ہیں اور نہ فیض یاب وجود ہو سکتے ہیں۔ اسی مفہوم کو اور زیادہ لطافت کے ساتھ یوں ادا کیا ہے۔

چراغم با تو سوزم بے تو میرم
تو اے بیچوں من بے من چگونی؟

یعنی ذات حق و ذات خلق میں انفکاک ہرگز ممکن نہیں، کیونکہ ذواتِ خلق صورِ علمیہ حق ہیں

علم حق بغیر معلوماتِ حق کے ممکن نہیں اور ذات حق کا اس صفت سے انفکاک جہل کو مستلزم۔ اسی معنی میں اقبالؔ کے یہ اشعار سمجھ میں آتے ہیں۔

نہ او بے ما نہ ما بے او چہ حال است فراق ما فراق اندر وصال است

نہ مارا در فراق او عیارے نہ او را بے وصال ما قرارے

اسی معنی میں شیخ اکبرؒ کا یہ شعر ہے۔

فلولاہ ولولانا فما کان الذی کانا

یعنی تخلیق کا امکان ذاتِ حق وذواتِ خلق (صور علمیہ حق) پر ہے یہ ہر دو لازم و ملزوم ہیں کیونکہ "حق ظاہر بصورتِ حقیقی اشیا و اشیار موجود بوجود حقیقی حق" فوجودنا بہ وظہورہ بنا اقبالؔ اس نکتہ کو خضر کی طرف منسوب کرکے فرماتے ہیں۔

زخضر ایں نکتۂ نادر شنیدم
کہ بحر از موج خود دیرینہ تر نیست

بحر یعنی ذات حق (بلا تشبیہ) ہے۔ موج یعنی صور علمیہ حق جو ذوات اشیا رہیں جو غیر مجعول یا غیر مخلوق ہیں لہذا ازلی ہیں۔ عالم کی طرح اس کا علم بھی ازلی ہے۔ ذوات اشیار معلومات یا تصوراتِ الہٰی ہیں۔ لہذا یہ بھی ازلی ہیں، ان معلومات یا تصورات کی سورت میں خود عالم جلوہ افروز ہے اور اس طرح خلق کا ظہور ہوا ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ ہمارا وجود حق تعالیٰ کے وجود سے ہے (وجودنا بہ) اور ہمارا نمود (ظہور) حق تعالیٰ ہی کی تجلی سے ہے اور حق تعالیٰ کا ظہور ہماری ہی صورتوں سے ہے دیکھو اس رباعی میں اقبالؔ کس قدر وضاحت سے اس چیز کو بیان کر رہے ہیں۔

خودی را از وجودِ حق وجودے خودی را از نمود حق نمودے
(وجودنا بہ) (ظہورنا بہ)
نمی دانم کہ ایں تابندہ گوہر کجا بودے اگر دریا نبودے
(انائے مقید) (انائے مطلق)

حق تعالیٰ کے لئے تجلی و تمثل و تحول فی الصورت کتاب وسنت سے ثابت ہے۔
اس کی ماہیت کے انکشاف کے لئے ذرا اپنے نفس پر غور کرو۔ فرض کرو کہ تم اپنے کسی عزیز دوست کا خیال کرتے ہو کہ وہ اپنے باغ میں اپنے اہل وعیال کے ساتھ سیر کر رہا ہے۔ خیال کے ساتھ ہی تمہارا ذہن چند تمثالات میں متمثل ہو کر تمہارے سامنے جلوہ گر ہو جاتا ہے۔ مگر باوجود اس تمثل کے، باوجود تمثالات کے تعین و تحیز اور تشکل اور تکیف کے، باوجود ان کی کثرت کے تمہاری ذات اپنی وحدتِ حقیقی اور اپنی بے کیفی و تنزیہ پر قائم ہے۔ باوجود تمثالات کی چونی وچگونگی سے مشبہ ہونے کے وہ ان ہی چیزوں سے منزہ بھی ہے، فافہم ؎

اسرار ازل جوئے بر خود نظرے وا کن
یکتائی و بسیاری، پنہانی و پیدائی (اقبال)

وجدان میں تمثل یا تجلی کی اس طرح یافت ہونے کے بعد اب تم بآسانی سمجھ سکو گے کہ کس طرح حق تعالیٰ بحالہ جیسے کے ویسے رہ کر بلا تغیر و تکثر بغیر حلول واتحاد تجزیہ و تقسیم صفت نور کے ذریعہ صور معلومات یا تصورات سے خود ظاہر ہو رہے ہیں۔ صور علمیہ کی کثرت، ان کا تعین و تحیز (جو ان کی غیریت کو ثابت کرتا ہے) حق تعالیٰ کی وحدت ذاتیہ اور تنزیہ میں کوئی فرق پیدا نہیں کر سکتا۔ ذات منزہ حق کا بصورت تشبیہ تجلی (ظہور) فرمانا خود کلامِ الٰہی و احادیثِ نبوی سے ثابت ہے۔ اس کا استقصا ہم نے اپنے رسالہ خلق وحق میں کیا ہے تفصیل کے لئے اس طرف رجوع کرنا چاہیے [1]

ان شواہد و دلائل کی بنا پر جو ہمیں قرآن و حدیث میں ملتے ہیں ہم کہہ سکتے ہیں کہ حق تعالےٰ کا بصورت تشبیہ تجلی فرمانا شرعاً ثابت ہے اور یہ تجلی تشبیہ صوری منافی تنزیہ معنوی نہیں ہو سکتی دیکھو جبرئیل علیہ السلام حضور اکرم صلعم کے ہاں دحیہ کلبیؓ کی صورت میں ظاہر ہوتے تھے مگر اس ظہور سے ان کی حقیقتِ جبریلی میں کوئی فرق یا نقصان نہیں پیدا ہوتا تھا۔ اسی طرح

---

[1] دیکھو خلق وحق ص ۳۴ و ۳۵۔

عزرائیل علیہ السلام قبضِ روح کے لئے وقتِ واحد میں متعدد مقاموں اور مختلف شکلوں میں ظہور فرماتے ہیں لیکن اس انقلاب وکثرت صورسے ذات وحقیقت عزرائیل میں کوئی انقلاب یا کثرت نہیں پیدا ہوتی، وہ بحالہ وبجد ذاتہ جیسی کہ ہے ویسی ہی رہتی ہے۔ اب تمہیں ہمارا یہ کہنا کہ حق تعالیٰ بحالہ وبجد ذاتہ جیسے کہ ہیں ویسے رہ کر بصور معلومات صفت نور کے ذریعہ ظاہر ہوتے ہیں سمجھ میں آگیا ہوگا اور تم شاہ کمال کے اس قول سے اتفاق کروگے کہ

نص قطعی ہے حق تعالیٰ کا
تیری صورت سے جلوہ گر ہونا

اور اقبال نے عالم کی جو توجیہ کی تھی اس کا ساتھ دوگے ع

گفت عالم؟ گفتم اوخود روبروست!

اس لئے کہ حق تعالیٰ صفات تنزیہ وتشبیہ دونوں سے متصف ہیں۔ ہوالباطن بھی ہیں اور ہوالظاہر بھی۔ مرتبہ باطن تنزیہ محض ہے، غیب الغیب ہے، شائبہ تشبیہ سے پاک ہے اور مرتبۂ ظہور میں تشبیہ ثابت ہے۔ قرآن مجید میں آیات تنزیہ وآیات تشبیہ دونوں بکثرت ملتی ہیں۔ ایک پر ایمان اور دوسری کی تاویل "نومن ببعض ونکفر ببعض" کا مصداق ہے مرتبہ ظہور میں حق تعالیٰ نے استوی، ید، وجہ وغیرہ صفات متشابہات سے اپنے کو موصوف فرمایا ہے اور اسی اتصاف تشبیہ کے اعتبار سے "یدرسول" کو "یداللہ" کہنا حق ہے۔ ایمان کی تکمیل ان دونوں صفات تنزیہ وتشبیہ کی عقیدت پر منحصر ہے یعنی حق تعالیٰ مرتبہ ذات میں منزہ ہیں اور مظاہر میں مشبہ، تنزیہ وتشبیہ کے جامع ہیں۔

اس غیریت وعینیت، تشبیہ وتنزیہ کے تعلق پر ہی ذرا سا غور کرلو، چونکہ ذاتِ حق میں ذواتِ خلق (صورعلمیہ، تصورات) مندرج ہیں، لہذا من حیث الاندراج عینیت ہے، یہی تنزیہ ہے یہی بہ ضمیرت آرمیدم، کا مفہوم ہے اور چونکہ ذات حق موجود ہے اور ذوات خلق (تصورات یا صور علمیہ) معدوم ہیں (یہ عدم اضافی ہے، یا ثبوت علمی ہے نہ کہ عدم محض) لہذا من حیث الذات

غیریت ہے یہی تشبیہ ہے من الازل الی الابد ع

معلوم خدا از ازل غیر خدا است

وجود اور عدم میں تغائر حقیقی ہے اس لئے من حیث الذوات غیریت حقیقی ہے (تشبیہ) اور من حیث الوجود دیکھو تو عینیت حقیقی ہے (تنزیہ) کیونکہ وجود حق کا عین وجودِ خلق ہے۔ یعنی وجود واحد ہے، اعیان خلق (صور علمیہ، تصورات) کی صورتوں میں متجلی ہے۔ ایمان صحیح ان دونوں نسبتوں کی تصدیق پر منحصر ہے۔ نسبت غیریت کی تصدیق ظاہر شریعت ہے اور نسبت عینیت کی تصدیق حقیقت شریعت ہے۔ عینیت و غیریت دونوں نسبتوں پر ایمان عرفان کامل ہے۔ اسی لئے کہا گیا ہے کہ

معرفت کی ہوا میں اڑنے کو

عینیت غیریت دو پر ہونا

عرفاء کے نزدیک یہ امر مسلمہ ہے کہ محض غیریت کا شاغل محجوب ہے، محض عینیت کا قائل مغضوب ہے، نشہ وحدت کا سرشار مجذوب ہے اور جو دونوں نسبتوں کا شاہد ہے وہ محبوب ہے، یہ وجہ عینیت کو غیریت پر اور وجہ غیریت کو عینیت پر غلبہ پانے نہیں دیتا، اعتدال کے ساتھ دونوں کا جامع ہوتا ہے اور شاہ کمال کی زبان میں اپنے حال کا یوں اظہار کرتا ہے۔

عینیت سے مست ہوں اور غیریت سی ہوشیار

دم بدم یہ میکشی یہ پارسائی بس مجھے!

اس غیریت و عینیت، تشبیہ و تنزیہ کے علم سے ہمیں اپنی ذات کا یہ عرفان حاصل ہوا کہ حق تعالیٰ ہماری ذات کے اعتبارات سے منزہ ہیں اور پھر ہماری ذات ہی کے اعتبارات سے ظاہر ہو رہے ہیں۔ یہ عرفان ہمیں مقام "عبدیت" عطا کرتا ہے جو قرب کا اعلیٰ ترین مقام ہے عبدیت اس امر کا جاننا ہے کہ اولاً

(۱) ہم فقیر ہیں ملک و حکومت، افعال صفات و وجود اصالتہً ہمارے لئے نہیں حق تعالیٰ

ہی کے لئے ہیں۔ اللہ غنی و انتم الفقراء (۲۶ ع ۸) نیز یا ایھا الناس انتم الفقراء الی اللہ واللہ ھو الغنی الحمید۔

قرآن سے تفصیلی تائید کے لئے ان شواہد پر غور کرو۔

ملک و حکومت حق تعالیٰ ہی کے لئے حصراً ثابت ہے: لم یکن لہ شریک فی الملک (۱۵ ع ۲۴) ان الحکم الا اللہ (۷ ع ۱۳) لہ ما فی السموات و ما فی الارض۔

افعال کی تخلیق حق تعالیٰ ہی کر رہے ہیں۔ واللہ خلقکم و ما تعملون (۲۳ ع ۷)

صفاتِ وجودیہ حق تعالیٰ ہی کے لئے حصراً ثابت ہوتے ہیں (i) حیات ان ہی کی ا— ھو الحی القیوم (۳ ع ۹) (ii) (iii) علم و قدرت ان ہی کی: وھو العلیم القدیر (۲۱ ع ۹) (iv) ارادہ و مشیت ان ہی کی: و ما تشاؤن الا ان یشاء اللہ (۲۹ ع ۲۰) (v) (vi) سماعت و بصارت ان ہی کی: وانہ ھو السمیع البصیر (۵ ع ۱) امن یملک السمع و الابصار فیقولون اللہ (۱۱ ع ۹) (vii) وجود بھی حق تعالیٰ ہی کے لئے ثابت: اللہ لا الہ الا ھو الحی القیوم (۳ ع ۹) نیز ھو الاول و الاخر و الظاھر و الباطن وھو بکل شی علیم (۲۷ ع ۱۷) وجود کے چاروں مراتب کا حق تعالیٰ ہی کے لئے ہونا حصراً ثابت ہو رہا ہے۔ ثانیاً

(۲) عبدیت اس امر کا جاننا ہے کہ ہم "امین" ہیں۔ فقر کے امتیاز سے خود بخود ہمیں امانت کا امتیاز حاصل ہو جاتا ہے۔ ہم میں وجود انا یا خودی صفات و افعال۔ مالکیت و حاکمیت من حیث الامانت پائے جاتے ہیں۔ میں حق تعالیٰ ہی کے وجود سے موجود ہوں، ان ہی کی حیات سے زندہ ہوں، ان ہی کے علم سے جانتا ہوں، ان کی قدرت اور ارادے سے قدرت و ارادہ رکھتا ہوں ان کی سماعت سے سنتا بصارت سے دیکھتا اور کلام سے بولتا ہوں۔ یہی قوم کی اصطلاح میں "قرب نوافل" ہے۔ حق تعالیٰ ہی کے لئے وجود اور صفات وجودیہ اصالتاً اور بطور حصر ثابت ہیں اور ہماری طرف ان کی نسبت امانتہً ہو رہی ہے۔ فقر اور امانت کے اعتبارات کے جاننے سے سبحان اللہ وما انا من المشرکین" کا جو "بصیرت محمدیہ" ہے بروئے قرآن تحقیق ہو جاتا ہے

یعنی ہم حق تعالیٰ کی چیزیں اصالۃً اپنے لئے نہیں ثابت کر رہے ہیں اور اس طرح شرک سے دور ہیں اور نہ ہی ایسی چیزیں، ذاتیات، صفات عدمیہ وناقصہ کی نسبت حق تعالیٰ کی طرف کر رہے ہیں کہ ان کی تنزیہ متاثر ہو اور کفر لازم آئے۔ ہم ان کی چیزیں ان ہی کے لئے ثابت کر رہے ہیں اور یہی توحید اصلی ہے۔

فقر اور امانت کے نتیجہ کے طور پر "عبد" کو "خلافت" اور ولایت حاصل ہوتی ہے۔ جب وہ امانات الٰہیہ کا استعمال کائنات کے مقابلہ میں کرتا ہے تو وہ "خلیفہ اللہ فی الارض" کہلاتا ہے اور جب حق تعالیٰ کے مقابلہ میں کرتا ہے تو "ولی" ہوتا ہے۔ عبد اللہ کے یہی چار اعتبار ہیں فقر وامانت وخلافت وولایت۔ اللہ اللہ کیا شان ہے "عبد اللہ" کی!

ان ہی اعتبارات کو پیش نظر رکھ کر اقبال پہلے "فقر" کی تصریح کرتے ہیں۔

چیست فقر اے بندگانِ آب وگل — یک نگاہ راہ بیں، یک زندہ دل
فقر کار خویش را سنجیدن است — بر دو حرف لا الہ پیچیدن است
فقر خیبر گیر با نانِ شعیر — بستۂ فتراک او سلطان ومیر
فقر ذوق وشوق وتسلیم ورضاست — ما امینیم، ایں متاع مصطفیٰؐ ست
فقر بر کروبیاں شبخوں زند — بر نوامیس جہاں شبخوں زند
بر مقامِ دیگر اندازد ترا — از زجاج الماس می سازد ترا

برگ وساز او ز قرآنِ عظیم
مرد درویشے نہ گنجد در گلیم

عبد اللہ فقیر ہے اور امین اور خلیفہ اور ولی، ان ہی اعتبارات کا اوپر ذکر ہے لا الٰہ الا اللہ نے تمام اعتبارات حق کی ذاتِ عبد سے نفی کی اور ان کا ذات حق میں اثبات کیا اور سہ اعتبارات حق کا ذاتِ عبد میں امانۃً اثبات کیا جو اصطلاح قوم میں

اثبات کا اثبات ہے، اب ان اعتباراتِ الہیہ کا امین ہو کر عبد کا فقر رہبانیت نہیں بلکہ "صیرفیٔ کائنات" ہے "خیبر گیر" ہے، دنیا کی بڑی سے بڑی قوت بھی خلیفہ اللہ کے آگے سرنگوں ہے۔ سلطان و میر اس کے فتراک کا شکار رہیں۔ یہ اس لئے کہ وہ اللہ ہی کی حول و قوت کو استعمال کرتا ہے اور حق تعالیٰ ہی کے امتثالِ امر میں کرتا ہے اقبال اس فقر کو رہبانیت سے یوں ممیز کرتے ہیں۔

کچھ اور چیز ہے شاید تری مسلمانی — تیری نگاہ میں ہے ایک فقر و رہبانی
سکوں پرستیٔ راہب سے فقر ہے بیزار — فقیر کا ہے سفینہ ہمیشہ طوفانی
پسند روح و بدن کی ہے وانمود اس کو — کہ ہے نہایت مومن خودی کی عریانی ("استعمال امانت")
وجود صیرفیٔ کائنات ہے اس کا ("صراف") — اسے خبر ہے یہ باقی ہے اور وہ فانی

یہ فقر مرد مسلماں نے کھو دیا جب سے
رہی نہ دولت سلمانی و سلیمانی

عبد اللہ فقیر ہے اور امین بھی، امین کس کا، حق تعالیٰ کی ہویت و انیت کا، ان کے صفات وجودیہ کا، ان کی مالکیت و حاکمیت کا، اسی امانت کو اقبال ان الفاظ میں یاد دلاتے ہیں ؎

مشو غافل کہ تو اورا امینی
چہ نادانی کہ سوئے خود نہ بینی ("ذات الٰہی")

اب وہ ان ہی امانات الہیہ کا کائنات کے مقابلہ میں استعمال کرتا ہے اور خلیفۃ اللہ فی الارض کہلاتا ہے، وہ ان کے استعمال پر مامور ہے، راہب کی طرح وہ ان کو ترک کر نہیں سکتا۔ سکون پرستیٔ راہب سے وہ بیزار ہے، اس کا سفینہ ہمیشہ طوفانی ہوتا ہے، جاھدوا فی اللہ کے امر کے امتثال میں وہ

مصروف مجاہدہ ہوتا ہے اور لئن جاھدوا فینا لنھدینھم سُبُلنا کے وعدے کے مطابق اس کو صراطِ مستقیم کی ہدایت ہوتی رہتی ہے۔ اسی جہاد و مجاہدہ کو، اسی امتثال امر میں تلاشِ حق و تبلیغ حق کو، ترک شر و اختیار خیر کو اقبال نے ان الفاظ میں ادا کیا ہے

جنگِ شاہانِ جہاں غارتگری است　　جنگِ مومن سنتِ پیغمبری است
جنگِ مومن چیست؟ ہجرت سوئے دوست　　ترکِ عالم اختیارِ کوئے دوست
آنکہ حرفِ شوق با اقوام گفت　　جنگ (مجاہدہ) را رہبانیِ اسلام گفت
کس نداند جز شہید ایں نکتہ را
کو بخون خود خرید ایں نکتہ را

عبداللہ ولی اللہ ہے، ولایت کی شان کو اقبال بڑی وضاحت سے بیان کرتے ہیں۔

ہر لحظہ ہے مومن کی نئی شان نئی آن　　گفتار میں کردار میں اللہ کی برہان
قہاری و غفاری و قدوسی و جبروت　　یہ چار عناصر ہوں تو بنتا ہے مسلمان
ہمسایۂ جبریلِ امیں بندۂ خاکی　　ہے اس کا نشیمن نہ بخارا نہ بدخشان
یہ راز کسی کو نہیں معلوم کہ مومن　　قاری نظر آتا ہے حقیقت میں ہے قرآن
قدرت کے مقاصد کا عیار اس کے ارادے　　دنیا میں بھی میزان، قیامت میں بھی میزان
جس سے جگر لالہ میں ٹھنڈک ہو وہ شبنم　　دریاؤں کے دل جس سے دہل جائیں وہ طوفان
فطرت کا سرود ازلی اس کے شب و روز
آہنگ میں یکتا صفتِ سورہ رحمٰن

عبد ہو کر ہی وہ امین اللہ، خلیفۃ اللہ اور ولی اللہ ہوتا ہے، ایسا عبد کہہ سکتا ہے: انا عبدلہ کیونکہ وہ معلوم اللہ، مخلوق اللہ، غیر ذات اللہ ہے۔ اور پھر وہ یہ بھی کہہ سکتا ہے: من رانی فقد رای الحق[1]۔ کیونکہ اس میں ہویت و

[1] رواہ مسلم و بخاری۔

انیت حق ہی کی ہے۔ وجود وخودی حق ہی کی ہے۔ اسی خیال کو اقبال وضاحت کے ساتھ یوں ادا کرتے ہیں۔

کرا جوئی؟ چرا در پیچ و تابی که او پیداست تو زیر نقابی
تلاش او کنی جز خود نه بینی تلاش خود کنی جز او نیابی

فیض الباری

(مطبوعہ مصر)

فیض الباری نہ صرف ہندوستان بلکہ دنیائے اسلام کی مشہور ترین اور مایۂ ناز کتاب ہے۔

شیخ الاسلام حضرت علامہ سید محمد انور شاہ صاحب قدس سرہٗ جواس صدی کے سب سے بڑے محدث سمجھے گئے ہیں فیض الباری آپ کی سب سے زیادہ عظیم الشان علمی یادگار ہے جسے چار ضخیم جلدوں میں دل آویزی و دل کشی کی تمام خصوصیتوں کے ساتھ مصر میں بڑے اہتمام سے طبع کرایا گیا ہے۔

فیض الباری کی حیثیت علامہ مرحوم کے درس بخاری شریف کے امالی کی ہے۔ جس کو آپ کے تلمیذ خاص مولانا محمد بدر عالم صاحب رفیق ندوۃ المصنفین دہلی نے بڑی قابلیت، دیدہ ریزی اور جانکاہی سے مرتب فرمایا ہے۔ حضرت شاہ صاحبؒ کی تقریروں کے علاوہ فاضل مولف نے جگہ جگہ تشریحی نوٹوں کا اضافہ کیا ہے جس سے کتاب کی افادی حیثیت کہیں سے کہیں پہنچ گئی ہے۔

مکمل چار جلدوں کی قیمت صرف سولہ روپئے

منیجر مکتبہ برہان دہلی۔ قرول باغ